قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون
عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین

★

تنقید اور حقِ تنقید

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر بینات کا مکتوب
اپنے ایک صالح عزیز کے نام بسلسلہ مودودیت

★

شائع کردہ
صوفی محمد اقبال ہشیارپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنقیدِ اور حقِ تنقیدِ

مولانا محمّد یوسف لُدھیانوی مدیرِ بیّنات کا مکتوب
اپنے ایک صالح عزیز کے نام بسلسلۂ مودودیت

شائع کردہ

حَضرت اقدس صُوفی **مُحمّد اقبَال** صَاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ
حضرت جناب آفتاب احمد (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکـــتبہ اقبـالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com   فون: 0092-312-2502281

٣٠ جمادی اول ١٤٤٣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ دام مجدہم کے یہاں عصر کے بعد ہمیشہ اکابر کے مضامین اور سوانح وغیرہ سنائی جاتی ہے اس دوران میں کوئی رسالہ آجاتا ہے تو اصل کتاب کو روک کر وہ رسالہ سن لیا جاتا ہے۔ آجکل حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی 'نقشِ حیات' ہو رہی تھی۔ اسی دوران میں 'بیّنات' کا رسالہ کہیں ذی الحجہ ۹۶ھ کا مل گیا۔ اس کے درمیان میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر بیّنات کا ایک مکتوب اپنے کسی صالح عزیز کے نام سنایا گیا۔ بہت مختصر اور جامع مضمون تھا۔ دوستوں کی رائے ہوئی کہ اس کو الگ رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ دوستوں کے اصرار پر اس ناکارہ نے یہ مختصر رسالہ رفاہِ عام کے لئے شائع کرنا مناسب سمجھا اور اس کا ایصالِ ثواب بھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہٗ کو تجویز کیا۔ فقط

محمد اقبال ہوشیارپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنقید اور حقِ تنقید

ایک صالح عزیز کے نام

عزیزم سلمہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

تمہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے والہانہ عقیدت ہے۔ اور تمہارے لئے یہ سوال حیرت و پریشانی کا موجب ہے کہ اکابرِ اُمت، جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی تحریکِ اسلامی کی مخالفت پر کیوں کمربستہ ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ سرسید احمد خاں کی تحریک اصلاحِ اسلام، عبداللہ چکڑالوی کی تحریکِ قرآن، غلام احمد قادیانی کی تحریک تجدیدِ اسلام، غلام احمد پرویز کی تحریک طلوعِ اسلام، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریک تجددِ اسلام اور سوشلسٹوں کی تحریک ترقی پسند اسلام کی مخالفت علماء نے کیوں کی؟ اس کے جواب میں تم یہی کہو گے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق "اسلام" کا ایک مصنوعی خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کر کے اسے تو معیار قرار دیا، اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی جو چیز اس مصنوعی خاکہ میں فٹ ہو سکی لے لے لیا، اور جو چیز اس کے خلاف نظر آئی اُسے یا تو ہنسی مذاق میں اڑا دیا، یا تاویل کے تیشے سے تراش کر اُس کے مفہوم و معنٰی کو غارت کر دیا، گویا ان کا ذہن و فکر، عقل و شعور

اور دل و دماغ 'اسلام' کے تابع نہیں، بلکہ 'اسلام' کا رد و قبول ان کے ذہنی خاکہ کے تابع ہے۔ اور علماء کا فرض تھا کہ ان کے مصنوعی 'طلسم اسلام' کو توڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کی، جو چودہ سو سال سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے، امت کو دعوت دیتے اور ان نئے 'منکرین اسلام' کے فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کرتے۔

تم جانتے ہو کہ علماءِ امت نے ہر قیمت پر یہ فریضہ ادا کیا، انہیں گالیاں دی گئیں، ان پر فقرے چست کئے گئے، ان کا مذاق اُڑایا گیا، ان پر طعن و تشنیع کے نشتر چلائے گئے، مگر علماء امت کو تو اپنا فرض ادا کرنا تھا اور انہوں نے بہرحال اسے ادا کیا، اور جب تک جان میں جان اور منہ میں زبان ہے تب تک علماء امت سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ وہ دن کو دن اور رات کو رات کہنے کے 'جرم' کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

اب سنو! ــــ اسی طرح کا ایک مصنوعی خاکہ جناب مودودی صاحب نے اپنی ذہانت و طباعی سے اختراع کیا۔ اسی کو 'اسلامی تحریک' کی حیثیت سے پیش کیا۔ اسی کی بنیاد پر 'اسلامی جماعت' تشکیل کی، اور آج ان کی 'جماعت اسلامی' کے بڑے چھوٹوں پر اسی مصنوعی خاکہ کی چھاپ ہے۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کہ جو حکم مذکورہ بالا لوگوں کا ہے وہی جناب مودودی پر بھی لگا رہا ہوں، نہیں! بلکہ درجات و مراتب کا فرق ہے، ظلمات بعضها فوق بعض۔ تشبیہ سے مقصد صرف اتنا ہے کہ حقیقی اسلام کو سمجھنے سے یہ سب لوگ قاصر رہے اور اپنے فہمیدہ اسلام کا الگ الگ نقشہ مرتب کرنے میں سب شریک ہیں۔ یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے بعض کا مرتبہ نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے بالکل ہی مختلف ہو، اور بعض کا اس قدر مختلف نہ ہو، مگر اس میں کیا شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی عقل و فہم کے زور سے 'اسلام

کا جو خاکہ سمجھا اُسی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، اسی کو مدار ٹھہرایا اور اسی کی قوم کو دعوت دی۔

عربی کی مثل ہے "لکل ساقطة لاقطة" یعنی ہر گری پڑی چیز کو اُٹھانے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا ہے۔ ذہنی مطابقت اور قلبی تشابہ کی بناء پر ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ افراد مل ہی گئے ـــ یہ تمہارے سوال کا مختصر سا جواب ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ اس اجمال سے تمہاری تشفی نہیں ہوگی، اس لیے مجھے اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرنا ہوگی۔ آج کی صحبت میں مَیں آپ کو صرف ایک نکتہ پر غور و فکر کی دعوت دونگا۔

تم نے جماعتِ اسلامی کے دستور میں جناب مودودی صاحب کے قلم سے یہ فقرہ پڑھا ہوگا:-

> "رسُولِ خدا کے سِوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، نہ کسی کو 'تنقید' سے بالاتر سمجھے، کسی کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا نہ ہو۔ ہر کو خدا کے بتائے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھے۔"

{مودودی مذہب[1] ص۵۳}

اس دستوری عقیدہ میں جناب مودودی صاحب نے ہر فردِ جماعت کو، خواہ اُسکی اپنی حیثیت کچھ ہی ہو، یہ تلقین فرمائی ہے کہ صرف رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مستثنٰے کرنے کے بعد کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا جائے، نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہُوا جائے۔ بلکہ جو کسوٹی مودودی صاحب اور اُن کی جماعت کو خدا نے عطاء کی ہے اُس پر ہر ایک کو ٹھونک بجا کر پرکھا جائے، اور پھر اس جانچ پرکھ کے نتیجہ میں جس کا

---

[1] میں تمہارا وقت بچانے کے لئے "مودودی مذہب" مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا حوالہ دے رہا ہوں۔ اس میں درج شدہ حوالوں پر کوئی اعتراض ہو تو مصنف ماشاءاللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے رجوع کر سکتے ہیں۔ چاہو تو یہ ذمہ داری میں خود بھی قبول کرنے کو تیار ہوں۔

جو درجہ متعین ہو اُسے اُسی درجہ میں رکھا جائے۔

اب ذرا "مودودی مذہب" کا مطالعہ کر کے دیکھیئے کہ تنقید کی چھلنی میں چھان پھٹک کر مودودی صاحب اور اُن کی جماعت نے اکابر کے کیا کیا درجے متعین فرمائے ہیں۔ سُنئے! مودودی صاحب بتاتے ہیں کہ:۔

(۱) ــــــ موسیٰ علیہ السلام کی مثال اُس جلدباز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔

{مودودی مذہب کے صـ۲۳}

(۲) ــــــ پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی کہ لا تتبع الهوٰی فیضلك عن سبیل الله (سورۂ ص رکوع ۲) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔ {صـ۳۱}

(۳) ــــــ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔

{صـ۲۴}

(۴) ــــــ حضرت داؤدؑ کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا۔ اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ {صـ۲۵}

(۵) ــــــ حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب

اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہو گئے تھے۔ {مودودی مذہب ص۳۰}

(۶)۔۔۔۔ عصمت در اصل انبیاءؑ کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے۔ .... اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاءؑ کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔

{ص۳۰}

(۷)۔۔۔۔ انبیاءِ کرامؑ سے قصور بھی ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔ {ص۳۱}

(۸)۔۔۔۔ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں، اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔ {ص۳۵}

---

(۹)۔۔۔۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے (یہ پوری عبارت مودودی مذہب ص۵۶ میں پڑھ لیں، آگے کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے)

(۱۰)۔۔۔۔ صحابۂ کرامؓ جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے۔ {ص۵۹}

(۱۱)۔۔۔۔ ایک مرتبہ صدیقِ اکبرؓ جیسا بے نفس متورع اور سراپا للٰہیت بھی اسلام کے نازک ترین مطالبہ کو پورا کرنے سے چوک گیا۔

{ص۶۰}

(۱۲)۔۔۔۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) شخصی عظمت نے رحلت

مصطفوی کے وقت اضطراری طور پر حضرت عمرؓ کو تھوڑی دیر کے لئے مغلوب کر لیا تھا۔ {مودودی مذہب صـ۶۰}

(۱۳)۔۔۔۔ حضرت عثمانؓ جن پر اس کارِ عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے، جو اُن کے جلیل القدر پیشرؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لیے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ {صـ۶۵}

(۱۴)۔۔۔۔ خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے، جو اُنہوں نے قاضی کی حیثیت سے کیے تھے۔ {صـ۶۶}

(۱۵)۔۔۔۔ حضرت عثمانؓ نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور اُن کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ تنقید بن کر رہیں۔ {صـ۷۱}

(۱۶)۔۔۔۔ مثال کے طور پر اُنھوں نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا۔ {صـ۷۱}

(۱۷)۔۔۔۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دُور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ {صـ۷۲}

(۱۸)۔۔۔۔ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ {صـ۷۲}

(۱۹)۔۔۔۔ تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ مروان اور یزید اُمتِ مسلمہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں۔ یہ نرم سے نرم الفاظ ہیں جو مروان اور یزید کے بارے میں کہے جا سکتے ہیں۔

{ماہنامہ فاران صـ۳۲ ستمبر ۷۶ء}

(۲۰)——— حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو (جو فقرہ ۱۷-۱۸ میں نقل ہوا) بلا شبہ غلط تھا، اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضہ اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے[۱] {مودودی مذہب صـ۲۳}

(۲۱)——— ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور اُن کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے ...... کسی کے مرنے کے بعد اُس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا۔ اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ { صـ۷۵ }

(۲۲)——— زیاد بن سُمیّہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اُن افعال میں سے ہے جن میں اُنھوں نے سیاسی اغراض کیلئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی[۲] { صـ۷۶ }

(۲۳)——— حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی اور مددگار بنانے کیلئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں[۳] اور اس کا ثبوت بہم پہنچا کر کہ زیادہ انہی (ابوسفیانؓ) کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسے اسی بنا پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیدیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت

---

[۱] اور اللہ اللہ فی اصحابی کا مطالبہ کیا ہے۔ مدیر بینات [۲] غالباً اسی سنت کی تقلید میں آنجناب نے بھی فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں "سیاسی اغراض کیلئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی"۔ مدیر۔ [۳] زناکاری پر شہادتیں لینا؟ کیسا عجیب انکشاف ہے۔ مدیر بینات

سے جیسا کہ کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ {مودودی مذہب ص۷۷}

(۲۴)ـــــ حضرت عمرو بن العاصؓ ...... سے دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ {ص۸۴}

(۲۵)ـــــ حضرت علیؓ نے ...... مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیئے، درآنحالیکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے، حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ {ص۸۵}

(۲۶)ـــــ حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہو گئی تھیں، اور حضورؐ سے زبان درازی کرنے لگی تھیں۔ {ص۸۸}

---

(۲۷)ـــــ تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجددِ کامل پیدا نہیں ہوا۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ {ص۹۱}

(۲۸)ـــــ امام غزالیؒ کے تنقیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جا سکتے ہیں، ایک قسم ان نقائص کی ہے جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے، دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے

لے جو ان کے پورے زمانہ خلافت پر پھیلا ہوا ہے۔ مرتب

ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے۔ اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔ { صہ ۹۲ }

(۲۹) ——— پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے شاہ (ولی اللہ) صاحب اور ان کے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا، اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ { صہ ۹۳ }

(۳۰) ——— اسی طرح یہ قالب (تصوف) بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکہ لگایا ہے۔ اور اس کے قریب جاتے ہی ان 'مزمن مریضوں' کو پھر وہی 'چنیا بیگم' یاد آجاتی ہے جو صدیوں سے ان کو تھپک تھپک کر سُلاتی رہی ہے۔ { صہ ۹۳ }

(۳۱) ——— مسلمانوں کے اس 'مرض' سے نہ حضرت مجدد صاحبؒ ناواقف تھے، نہ شاہ صاحبؒ۔ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید بھی موجود ہے، مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں 'مہلک' ثابت ہو چکی تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے 'مرض' سے متأثر ہوتا چلا گیا۔ { صہ ۹۳ }

(۳۲) ——— اگرچہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہ نے کی تھی لیکن

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا جس کا کچھ اثر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا، اور پیری مریدی کا سلسلہ سید صاحبؒ کی تحریک میں چل رہا تھا۔ اس لئے 'مرضِ صوفیت' کے 'جراثیم' سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی۔ {مودودی مذہب ص۹۵}

(۳۳) ــــ اور یہی 'جہالت' ہم ایک نہایت قلیل جماعت[۱] کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں۔ خواہ وہ اَن پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء، یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں۔ {ص ۱۹}

میں نے جناب مودودی صاحب کے بہرے ہوئے دریائے تنقید سے یہ چند قطرے پیش کئے ہیں، اور یہ سب کچھ اُنہوں نے بزعمِ خود، خدا کے بتائے ہوئے 'معیار' پر جانچنے اور پرکھنے کے بعد لکھا ہے۔ میں ان کے ایک ایک فقرے پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ تم خود سوچو کہ ان تنقیدات کے بعد اسلام کا کیا نقشہ ذہن میں آتا ہے۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ تمہاری سہولت کیلئے چند اصولی باتیں پیش کر دوں۔

۱ ــــ جناب مودودی صاحب کا ارشاد کہ "رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے"۔ اس کے آثار و نتائج پر غور کرنے کیلئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ 'تنقید' کسے کہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو جانچنا، پرکھنا اور کھوٹا کھرا معلوم کرنا۔ اور اردو محاورے میں یہ لفظ

---

[۱] غالباً مودودی صاحب کی اپنی جماعت۔ مدیر بینات

نکتہ چینی، خردہ گیری اور اظہارِ نقص کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جانچنے پرکھنے کے بعد جب کوئی چیز عیب دار ثابت ہوتی ہے تو اُس کے کمزور پہلوؤں کے اظہار کا نام تنقید ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں پر تنقید کی تو اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس کے کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اس پر نکتہ چینی کی اور اس کے عیوب و نقائص بیان کئے۔

۲۔۔۔۔۔ جس چیز یا جس شخصیت کو تنقید کا محل سمجھا جائے اُس کے بارے میں سب سے پہلا تصور یہ قائم ہوتا کہ تنقید سے پہلے یہ چیز قابلِ اعتماد نہیں، بلکہ جانچ پرکھ کی محتاج ہے اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوسکیگا کہ یہ لائقِ اعتماد ہے یا نہیں۔ کیونکہ جو چیز سو فی صد لائقِ اعتماد ہو اُس کے جانچنے پرکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور نہ دنیا میں کوئی ایسا عقلمند آپ نے دیکھا ہوگا جو سکہ بند اور لائقِ اعتماد چیزوں کی جانچ پرکھ کرتا پھرے۔ الغرض یہ ایک بدیہی اصول ہے کہ جو چیز لائقِ اعتماد ہے اُس کی تنقید (یا اردو محاورے کے مطابق اُس پر تنقید) کی ضرورت نہیں۔ اور جو چیز محتاجِ تنقید ہے، وہ تنقید سے قبل لائقِ اعتماد نہیں۔ مثلاً بازار میں مُہر شدہ باٹ استعمال ہوتے ہیں۔ آپ نے کسی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ سودا خریدتے وقت دکاندار سے یہ دریافت کرے کہ میاں! اس کا وزن بھی درست ہے؟ کیونکہ وہ سرکاری مُہر کے بعد تنقید سے بالاتر ہے اور اس پر سرکاری مُہر کا ہونا ہی اس کے قابلِ اعتماد ہونے کی ضمانت ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس دانشمندی کا مظاہرہ کرے تو تم جانتے ہو کہ لسے کیا کہا جائے گا۔

اب جب مودودی صاحب ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ رسُولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی بھی انسان تنقید سے بالاتر نہیں، تو اس کے معنٰی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان بھی ہمارے لئے لائقِ اعتماد نہیں اسی اعتماد کو جناب مودودی صاحب "ذہنی غلامی" سے تعبیر کر کے یہ فرماتے ہیں کہ "نہ

(رسول خدا کے سوا) کسی (انسان) کی "ذہنی غلامی" میں مبتلا ہو۔" گویا جناب مودودی صاحب کے نزدیک چودہ سو سال کی اُمت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے کسی قول و فعل پر ہم اعتماد کر سکیں، تا وقتیکہ مودودی صاحب خدا کے بتائے ہوئے معیار پہ جانچ کر اس کی درجہ بندی نہ کریں، اور ہمیں یہ نہ بتلا دیں کہ فلاں شخص پر تم اس حد تک اعتماد کر سکتے ہو اور اس حد تک نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے خود تراشیدہ تصورِ اسلام میں خلفائے راشدین کے قاضیانہ فیصلوں کو بھی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے اُمت کو وصیت فرمائی تھی کہ خلفائے راشدین کی سُنت کو مضبوط پکڑیں مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث تم نے پڑھی ہو گی:۔

عن العرباض بن ساریۃ قال صلّی بنا رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یومٍ ثم اقبل علینا بوجہہ۔ فوعظنا موعظۃً بلیغۃً ذرفت منہا العیونُ ووجلت منہا القلوب فقال رجلٌ یا رسول اللہ کانَ ہذہ موعظۃ مودّعٍ فاوصنا فقال: اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدًا حبشیًّا، فانہ من یعِش منکم بعدی فسیرٰی اختلافًا کثیرًا۔ فعلیکم بسنّتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بہا وعضُّوا علیہا بالنواجذ، و ایاکم ومحدثات الامور، فانّ کلّ محدثۃٍ بدعۃٌ وکلّ بدعۃٍ ضلالۃٌ۔ (رواہ احمد، وابوداؤد، والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ:۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو ہماری جانب

رُخ کر کے بہت ہی پُر اثر وعظ فرمایا ، جس سے آنکھیں بہ پڑیں اور دل کانپ گئے ۔ وعظ سُن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ! آج کا وعظ تو ایسا (جامع اور مؤکّد) تھا جیسا رخصت کرنے والے کا وعظ ہوتا ہے (کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں چھوڑتا جس پر تنبیہ کی حاجت ہو) پس (اگر واقعی آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے ، تو) ہمیں کوئی وصیّت فرمایئے (جس کو عمر بھر یاد رکھیں) آپ نے فرمایا : میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ (تم میں سے جو اولوالامر ہو اس کی) سُنو اور مانو ، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو ، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت (نظریاتی) اختلافات دیکھے گا ۔ پس تم میری سُنّت کو اور ان خلفاء کی سُنّت کو جو رشد و ہدایت پر فائز ہیں اختیار کرو ، اسے خوب مضبوط پکڑ لو اور دانتوں سے تھام لو ۔ اور نئے نئے اُمور سے اجتناب کرو ، کیونکہ ہر نئی بات (جسے دین کا جزء سمجھ لیا جائے وہ) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ (مشکوٰۃ ص۳۰ بحوالہ مسند احمد ، ابوداؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ)

۳ ــــــ جانتے ہو کوئی شخص جب کسی دوسرے پر تنقید کرتا ہے تو اُس کا منشا کیا ہوتا ہے ؟ سُنو اگر کسی کے علم پر تنقید کی جائے (خواہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ یا معاملہ سے متعلق ہو) تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان صاحب کا علم صحیح نہیں ، بلکہ ناقد کا علم صحیح ہے یا ناقد اس مسئلہ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے ۔ اسی طرح اگر کسی کے فہم پر تنقید کی جائے تو اُس کا منشاء اپنے فہم کی برتری کا احساس ہے ۔ اور اگر عمل پر تنقید کی جائے تو اس کا منشاء اپنے عملی تفوّق کا جذبہ ہے ۔ الغرض جس بات میں آپ دوسرے پر تنقید کریں گے اُس میں اپنے علم و عمل اور عقل و فہم کے مقابلہ میں دوسرے کے علم و عمل اور

عقل وفہم کو فروتر سمجھیں گے۔ پھر کبھی تو ناقد واقعی ان امور میں اُس شخص سے جس پر تنقید کی گئی، فائق ہوتا ہے اور کبھی واقعۃً فائق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی خوش فہمی کے جنون میں اپنے کو فائق تر سمجھتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے 'کبر' یا 'تکبر' کہتے ہیں اور یہی 'کبر' تھا جس کا شکار سب سے پہلے ابلیس ہوا، اور اسی بر خود غلط احساسِ برتری نے اسے 'معلم ملکوت' کے بجائے قیامت تک ملعون بنا دیا۔

اب اس اصول کو سامنے رکھ کر ذرا مودودی صاحب کی تنقید اور اصول تنقید پر نظر ڈالئے۔ وہ ہر شخص کو حق دیتے ہیں کہ وہ رسُول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا سلفِ صالحین میں سے ہر شخص پر تنقید کرے۔ بتلائیے آخر اس کو کیا نام دیا جائے۔ کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان کی جماعت کا ہر فرد سلفِ صالحین سے علم وفہم میں فائق ہے؟ اگر نہیں تو اس کا منشاء بر خود غلط پندار کے سوا اور کیا ہے؟ اور پھر مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السّلام سے فریضۂ رسالت میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔ اس وقت ان کا دعوٰی گویا یہ ہوتا ہے کہ وہ فریضۂ رسالت کی ذمّہ داریوں کو حضرت یونس علیہ السّلام سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ شاید خدا سے بھی زیادہ۔ کیونکہ کم از کم مودودی صاحب سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کوئی ذمّہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جس کے بارے میں اُنہیں علم ہے کہ وہ اسے پُوری طرح ادا نہیں کر سکے گا۔ مگر بقول ان کے خدا نے فریضۂ رسالت کی ذمّہ داری حضرت یونسؑ کے سپرد کر کے یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی۔

اسی طرح جب وہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السّلام جاہلیت کے جذبہ سے مغلوب ہوگئے تھے تو گویا وہ دعوٰی کرتے ہیں کہ جذباتِ جاہلیت پر اُن کی نظر حضرت نوح علیہ السّلام سے زیادہ ہے۔ اور یہ کہ ان جاہلی جذبات پر غالب آنے کی وہ حضرت نوح علیہ السّلام سے زیادہ ہمت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اپنے بارے میں اُن کا ارشاد یہ ہے:-

"خدا کے فضل سے میں کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب

ہو کر نہیں کیا اور کہا کرتا، ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں
کہا ہے تول تول کر کہا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا حساب
مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو۔ چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں
کہ میں نے کوئی لفظ بھی خلافِ حق نہیں کہا۔" {مودودی مذہب ص۲۹}

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متأثر ہو کر فلاں کام کیا تھا، اس وقت وہ نہ صرف اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جو شخص اپنی سوسائٹی کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا ہو جائے وہ پیغمبر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ یہ وہ تأثر بھی دیتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی جگہ اگر حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوتے تو اوریا سے اُس کی بیوی کی طلاق کا کبھی مطالبہ نہ فرماتے۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فلاں معاملہ میں انسانی اخلاق تک کو ملحوظ نہیں رکھا، اس وقت وہ اپنے آپ کو انسانی اخلاقیات کا حضرت معاویہؓ سے بڑا عالم سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے شریعت کے فلاں قاعدے کی صریح خلاف ورزی کی، اُس وقت وہ اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر عالم شریعت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر حضرت سید احمد شہیدؒ تک مجددین کے تجدیدی کاموں میں یہ یہ نقائص رہ گئے، اُس وقت وہ یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تجدید و احیائے دین کو ان تمام اکابر سے زیادہ سمجھتے ہیں اور جب وہ بڑے فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ:۔

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے
ہمیشہ قرآن اور سُنّت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے[۱]، اس لئے میں کبھی یہ

---

[۱] اور قرآن اور سُنّت کا سمجھنا آنجناب کو کس نے سکھایا تھا؟ حال یا ماضی کے اشخاص نے؟ ملاءِ اعلیٰ کے
(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مؤمن سے کیا چاہتا ہے۔ یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسولؐ نے کیا کہا[1]۔"

{مودودی مذہب ص۹۵}

اس وقت درحقیقت وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُمت کے طویل ترین دور میں کوئی "بزرگ" ان سے زیادہ دین کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ خیر، یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر انشاء اللہ کبھی دوسری فرصت میں کچھ کہوں گا۔ سردست مجھے یہ کہنا ہے کہ تنقید کا منشا ہمیشہ انا خیر منہ کا احساس ہوتا ہے، اگر کوئی شخص واقعۃً کسی سے علم و فہم اور عمل و اخلاق میں بڑھ کر ہے تو اسے بلاشبہ اپنے چھوٹے پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ اور اگر یہ خود غلط احساسِ برتری اس کا منشاء ہو تو اس سے ہر مؤمن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ اب اگر جناب مودودی صاحب واقعی ان تمام حضرات سے اپنے علم و فہم اور عمل و تقوےٰ میں فائق ہیں جن پر انہوں نے تنقیدیں کی ہیں تو بلاشبہ انہیں تنقید کا حق ہے۔ اور اگر ان حضرات کے مقابلہ میں علم و فہم اور عمل و تقوٰی میں تہی دامن ہونے کے باوصف وہ تنقید کا شوق رکھتے ہیں تو اس کا منشاء بجز غرور و پندار اور تکبر کے کیا ہو سکتا ہے۔

۴ ـــــــ پھر جناب مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق جب چودہ سو سالہ اُمت کا کوئی بھی فرد تنقید سے بالا نہیں، نہ کسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، بلکہ خدا کی بتائی ہوئی کسوٹی پر ہر ایک کو جانچنا اور پرکھنا لازم ہے تو سوال یہ ہے کہ جو دین آج کی اُمت کو سلفِ صالحین کی نقل و روایت اور علم و عمل کے ذریعہ پہنچا ہے اُس پر اعتماد کیسے کیا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) فرشتوں نے؟ یا مرزا غلام احمد کی طرح سب کچھ شکمِ مادری سے لیکر آئے تھے؟ ناشکری کی حد ہے کہ دو چار اُنے سیدھے حرف جن اشخاص کی جوتیوں کی برکت سے حاصل ہوئے اُنہی کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ مدیر بینات

[1] بنیادی طور پر ٹھیک یہی نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کا ہے۔ مدیر بینات

جائے؟ تم جانتے ہو کہ ہمارے دین کے دلائل کُل چار ہیں۔ کتابُ اللہ، سُنّتِ رسُول اللہ (خلفائے راشدین کی سُنّت اسی کے ضمن میں آجاتی ہے) اجماعِ اُمّت اور قیاسِ مجتہدین۔ ائمۂ اجتہاد کے فقہی مسائل تو یوں ختم ہوئے کہ مودودی صاحب ماشاءاللہ خود مجتہدِ مطلق ہیں۔ انہیں دین فہمی کے لئے ماضی و حال کے کسی بزرگ سے علمی استفادہ کی حاجت نہیں۔ اور جب پوری اُمّت کو محتاجِ تنقید اور نالائقِ اعتماد فرض کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اُن کے اجماع کی بھی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کتاب سُنّت کا مدار روایت و درایت پر ہے۔ جن لوگوں کے علم و عمل پر ہی اعتماد نہیں اُن کی روایت و درایت کا حال معلوم خصوصاً جبکہ جناب مودودی صاحب کی تحقیق کے مُطابق صحابۂ کرامؓ ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو (نعوذ باللہ) جھوٹا بتایا کرتے تھے۔ اگر صحابۂ کرامؓ بھی نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جس کی تصویر مودودی صاحب کی تنقیدات نے مرتب کی ہے تو بعد کی اُمّت تو ظاہر ہے کہ ان سے بدتر ہی ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ قرآن و حدیث سے لیکر اجماع و قیاس تک ہر چیز مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ٹھہری جب تک کہ خدا کے بتلائے ہوئے معیار پر پرکھ کر مودودی صاحب ہمیں نہ بتائیں کہ فلاں چیز کتنی حد تک قابلِ اعتماد ہے اور کتنی حد تک نہیں۔

ذرا انصاف سے کہیئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مسٹر غلام احمد پرویز اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں۔ اور پھر یہ "خدائی معیار" مودودی صاحب کو کہاں سے حاصل ہوگا جس پر جانچ جانچ کر وہ سلفِ صالحین میں سے ایک ایک فرد کی درجہ بندی کریں گے (اور جیسی درجہ بندی اُنہوں نے کر دی ہے اُس کا کچھ نمونہ تم دیکھ ہی چکے ہو) کیا ان پر نئے سرے سے وحی نازل ہوگی یا چودہ سو سال پیچھے کی طرف زقند لگا کر وہ براہِ راست رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و سُنّت سُن لیں گے؟

جب وہ ماضی یا حال کے کسی بھی بزرگ کے واسطے کے قائل نہیں، نہ کسی کی ذہنی

غلامی' کی ذلت اُٹھانے کیلئے وہ تیار ہیں تو آخری 'خدائی معیار' اُنہیں کس غار سے دستیاب ہوگا؟

۵ ــــــ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے آخری دین کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے، دین کی حفاظت جبھی ہو سکتی ہے جبکہ نصوصِ دین کے الفاظ بھی بغیر کسی تغیر و تبدل کے محفوظ رہیں۔ ان کے معانی بھی محفوظ ہوں۔ پھر ان پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خود عمل کر کے دکھایا اور صحابۂ کرامؓ سے اپنے سامنے عمل کرایا، وہ بھی محفوظ ہو، اور پھر ان اعمال سے جو اسلامی ذوق، احسانی کیفیت اور دین فہمی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی محفوظ رہے۔ غرضیکہ یہ چار چیزیں ہوئیں۔ الفاظ، معانی، اعمال اور ذوقِ دین ــــــ ہم 'ذہنی غلامی' کے مبتلاؤں تو خیال ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ چاروں چیزیں بغیر کسی انقطاع کے محفوظ رکھیں اور جن حضرات کے ذریعہ محفوظ رکھیں وہ ہمارے محسن ہیں، مقتدا ہیں، معتمد علیہ ہیں، اور ہم ان کے ذہنی غلام ہیں، ممنونِ احسان ہیں۔ کیونکہ اگر ان حضرات کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ فلاں دور میں وہ دین کے الفاظ کو یا معانی کو، یا عمل کو، یا ذوق کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے یا یہ کہ اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو اس سے پورے دین ہی کی نفی ہو جاتی ہے۔ مگر مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق تو ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز بھی لائقِ اعتماد نہیں رہی کیونکہ ماضی اور حال کے بزرگوں کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا ہونے کی ذلت ان کے منصبِ عالی کے لئے ناقابلِ برداشت ہے جس کے لئے وہ کسی طرح بھی آمادہ نہیں ــــــ اور اگر ان کی رعایت سے یہ تسلیم بھی کر لیں کہ قرآن و سُنت کے الفاظ محفوظ ہیں، تب بھی ان الفاظ کو معنیٰ پہنانے اور ان معانی کو عملی جامہ پہنانے اور پھر ان اعمال ریاضت سے دین کا ذوق نصیب ہونے کے مراحل باقی رہیں گے، اور چونکہ مودودی صاحب کسی بھی انسان کی 'ذہنی غلامی' قبول کرنے پر آمادہ نہیں اس لئے انہیں یہ سارے مراحل بغیر کسی کی راہنمائی کے طے کرنے ہونگے۔ اسی طرح ان کی جماعت کے ایک ایک فرد کے لئے بھی چونکہ سلفِ صالحین کی 'ذہنی غلامی'

شجرِ ممنوعہ ہے، اس لئے اُنہیں بھی اپنی عقل وفہم کی پرواز سے یہ مرحلے طے کرنے ہوں گے. اس سے ان کے دین کا جو حلیہ بنے گا اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں. حاصل یہ کہ جو شخص آج چودہ سو سال پرانے اسلام کے اندر رہنا چاہتا ہے اُس کو تو حاملینِ دین سلف صالحین کی 'ذہنی غلامی' کے بغیر چارہ نہیں. اور جو شخص اس ذلت کو برداشت نہیں کرتا یا نہیں کرنا چاہتا وہ خواہ کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو 'اسلام' کو ـــــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو ـــــ حاصل نہیں کرسکتا. اگر سلفِ صالحین کے قال وحال پر اعتماد کئے بغیر اور ان کی 'ذہنی غلامی' میں مبتلا ہوئے بغیر بھی اسلام کو حاصل کرنے کا کوئی سائنٹفک طریقہ جناب مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے اُس کے معلوم کرنے کا متمنی ہوں، بشرطیکہ وہ مسٹر پرویز اور مرزا قادیانی وغیرہ ملاحدہ کے طریقے سے ذرا مختلف ہو.

٦ ـــــ جناب مودودی صاحب کی شستہ بیانی اور قلم کی روانی کا میں بھی معترف ہوں، مگر میرا خیال ہے کہ وہ اپنی بلند پروازی میں ایسے الفاظ بھی استعمال فرما جاتے ہیں جو موقعہ ومحل کے اعتبار سے بالکل ہی بے معنیٰ ہوں. مثلاً یہی 'تنقید سے بالاتر' اور 'ذہنی غلامی' کے الفاظ کو لیجئے. یہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے بالکل مہمل ہیں. غور فرمایئے، اگر دینِ اسلام کی 'ذہنی غلامی' کوئی عیب نہیں بلکہ لائقِ صد فخر ہے تو حاملینِ اسلام اور سلفِ صالحین کی پیروی اور 'ذہنی غلامی' کیوں لائقِ فخر نہیں؟ اور اگر دینِ اسلام ہم ایسے جاہلوں کی تنقید سے بالاتر ہے تو جن حضرات کے واسطے سے ہمیں دین پہنچا اُن کا علم وفہم تنقید سے بالاتر کیوں نہ ہوگا؟ ارشادِ نبویؐ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ [1] کا آخر کیا مفہوم ہے؟

ایک طفلِ مکتب کا تصور کیجئے جو پہلے دن مکتب میں گیا. اُستاذ نے اُسے بغدادی

---

[1] میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی.

قاعدہ شروع کرایا ہو۔ جب اُستاذ نے اُس کو الف، بے کہلایا تو اس کے جواب میں وہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور! میں چودھویں صدی کا مفکر ہوں، آپ کی 'ذہنی غلامی' کیوں قبول کروں، تو اس صاحبزادے کی تعلیم جس قدر 'مکمّل' ہوگی وہ محتاجِ بیان نہیں ـــــ ہم لوگ صحابۂ کرامؓ اور دیگر سلفِ صالحین کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو اس ماڈرن صاجزادے کی استاذ کے مقابلہ میں تھی، ہمیں دین کی ابجد انہی بزرگوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے، ان کی 'ذہنی غلامی' سے انحراف کا نتیجہ بھی اس صاجزادے سے مختلف نہیں ہوگا۔ خدا مجھے معاف فرمائے میرا خیال یہ ہے کہ سلفِ صالحین سے کٹ کر اور ان کی 'ذہنی غلامی' کا جوا اُتار کر جو لوگ اسلام کا ناک نقشہ مرتب کر رہے ہیں، وہ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں، وہ قرآن اور سُنّت کے الفاظ بار بار اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کفر و الحاد پھیلانے کیلئے اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جناب مودودی صاحب کو میں ان لوگوں کی صف کا آدمی تو نہیں سمجھتا لیکن افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے سلفِ صالحین میں سے ایک ایک فرد کی 'ذہنی غلامی' کی نفی کر کے دَورِ حاضر کے ملاحدہ کی 'ذہنی غلامی' کو ترجیح دی ہے، اور انہوں نے 'آزادروی' کا وہی راستہ اپنایا ہے جس پر آج کا ماڈرن طبقہ بگٹٹ دَوڑ رہا ہے۔

۷ ـــــ جناب مودودی صاحب سلف صالحین کی اقتدا، و اتباع کو 'ذہنی غلامی' کا نام دے کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ وہی 'ذہنی غلامی' ہے جس کو قرآن 'سبیل المؤمنین' قرار دے کر اس کے چھوڑنے والوں کو جہنم رسید کرنے کی دھمکی دیتا ہے اور پھر یہ وہی 'ذہنی غلامی' ہے جس کو قرآن 'الصراط المستقیم' قرار دیکر اس کی ہدایت کی دُعا تلقین کرتا، اور پھر یہ وہی 'ذہنی غلامی' ہے جس کے لئے مسلمان ناک رگڑ رگڑ کر پنج وقتہ دعائیں کرتے ہیں۔ کتنی مکروہ اور بھونڈی تعبیر ہے۔ جس راستہ پر

مقدسین کے قافلوں کے قافلے گزرے ہیں اس کی پیروی کو 'ذہنی غلامی' بتایا جائے۔

تم نے اگر اسلامی دور میں اُبھرنے والے باطل فرقوں کا مطالعہ کیا ہے تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہوگی کہ ان سب کی بنیاد اسی انا ولا غیری پر استوار ہوئی ان سب نے سلف کی 'ذہنی غلامی' سے عار کی اور اپنی عقل و فہم کے بازوؤں پر تخیلات کے جنگل میں پرواز شروع کر دی۔ اور پھر جس کا جدھر منہ اُٹھا اُسی سمت اُڑتا رہا۔

اسلام میں سب سے پہلا فتنہ عبداللہ بن سبا یہودی نے برپا کیا۔ جس کی بنیاد ہی "رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے" پر تھی۔ پھر اسی سبائیت کے بطن سے 'فتنۂ خوارج' نے جنم لیا، جو بڑی شوخ چشمی سے کہتے تھے کہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے دین کو نہیں سمجھا، ہم ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر انہی بنیادوں پر معتزلہ، مرجئہ قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے سلف کی پیروی کو 'ذہنی غلامی' تصور کیا، فضلوا واضلوا۔ دورِ حاضر میں جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے اُن میں اصول و نظریات کے اختلاف کے باوجود تمہیں یہی 'قدرِ مشترک' نظر آئے گی۔ سلف صالحین کا مذاق اُڑانا، ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا، ان کی حیثیت کو مجروح کرنا، اُن پر تنقیدی نشتر چلانا اور ان کی پیروی کو رجعت پسندی، دقیانوسیت، قدامت پرستی، ذہنی غلامی جیسے القاب دینا دورِ جدید کا فیشن ہے۔ افسوس ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی 'اسلامی تحریک' کی بنیاد اسی نظریہ پر اٹھائی ہے۔ ہم جب خارجیوں کے حالات پڑھتے تھے تو ہمیں ان کی جرأت پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے مقابلہ میں دین فہمی کا دعوے کر رہے ہیں جس نے آفتابِ اسلام کو اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا۔ جو ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق و معتمد علیہ رہا۔ جو نزولِ وحی کے ایک ایک واقعہ کا عینی شاہد تھا۔ جس نے اپنی زندگی بچپن سے کہولت تک اسلام پر نثار کر دی۔ ان لوگوں کی عقل کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ وہ اس کی دین فہمی پر تنقید کرتے تھے مگر

تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔ آج جناب مودودی صاحب کی تنقیدوں نے (جو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابۂ کبار پر کی ہیں) خارجیوں سے متعلق ہمارا سارا تعجب دُور کر دیا۔ مودودی صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ 'اسلامی نظام' کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے، نہ ان کے بعد کسی کو اس کی توفیق ہوئی۔ اب جناب مودودی صاحب کی 'تحریک اسلامی' اسلامی نظام برپا کرے گی۔ ان ھی الاخارجیۃ جدیدۃ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا کے فرشتے حیا کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:۔

اَلَا استحی من رجل تستحی	کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس
منہ الملائکۃ (رواہ مسلم مشکوۃ ص ۵۶۱)	سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

مگر مودودی صاحب ان سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ ان پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے پناہ قربانیوں سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں:۔

ما علی عثمان ما عمل بعد	عثمان اس کے بعد جو کچھ بھی کریں اُن پر
ھذہ ما علی عثمان ما عمل	الزام نہیں، عثمان آج کے بعد جو کچھ بھی
بعد ھذہ (رواہ الترمذی مشکوۃ)	کریں اُن پر الزام نہیں۔

مگر مودودی صاحب ان پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے کو سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو وصیت فرماتے ہیں:۔

اللہ اللہ فی اصحابی	میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے
لا تتخذوھم غرضًا من	ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد
بعدی، فمن احبھم	ہدفِ تنقید نہ بنا لینا، پس جس نے ان سے
فبحبی احبھم، ومن	محبت کی پس میری محبت کی بنا پر ان

ابغضهم فببغضي	سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض
ابغضهم ۔ (ترمذی)	رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر ان سے
	بغض رکھا

لیکن مودودی صاحب ان کی تنقید کو چھلنی میں چھاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کو ان پر تنقید کا حق دیتے ہیں، ان کی عیب چینی کر کے اُمّت کو ان سے نفرت اور بغض رکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ اُن کی 'ذہنی غلامی' سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ جدید رنگ میں اُسی خارجیت کا احیاء ہے، جو صحابہؓ کے دَور میں اُبھری تھی۔ و لعن آخر هذه الامة اولها[1]

اس تحریر کو فقیہ الامت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ختم کرتا ہوں تاکہ ان کے ارشاد سے مودودی صاحب کے فرامین کا 'معیارِ حق' ہمیں معلوم ہو سکے۔

عن عبد الله بن مسعود	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
رضي الله عنه قال من	فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو کسی کی
كان مستنا فليستن	اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا
بمن قد مات، فان لا	کرے جو فوت ہو چکے ہیں، کیوں کہ
يؤمن عليه الفتنة	زندہ آدمی فتنہ کے اندیشہ سے
اولئك اصحاب محمد	مامون نہیں۔ میری مُراد محمد صلی اللہ
صلى الله عليه وسلم	علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ہے۔ یہ حضرات
كانوا افضل هذه الامة	ساری اُمّت سے افضل تھے، سب سے
ابرها قلوبا واعمقها	زیادہ پاک دل تھے، علم میں سب سے
علما واقلها تكلفا	گہرے اور سب سے کم تکلّف تھے۔

---

[1] "اور اُمّت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے"۔ (حدیثِ نبویؐ)

اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم۔ (رواہ رزین، مشکوٰۃ ص۳۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اپنے دین کی اقامت وحمایت کے لئے ان کو منتخب فرمایا، لہٰذا ان کے فضل وکمال کو پہچانو، ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت واخلاق کو اپناؤ کیوں کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔ (رزین)

حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اور پوری اُمت کو اس زرّین نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین

چند حقائق

(۱) ـــــ تقسیم مُلک کے بعد ایک مرتبہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت نے استفسار فرمایا کہ پاکستان کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ آج کل پرویزی فتنہ کا وہاں بہت زور ہے۔ سرکاری دفاتر، کالجوں وغیرہ میں طلوعِ اسلام کی بہت اشاعت ہے۔ دینی رجحان رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ بااثر لوگ دینی علم نہ ہونے کی وجہ سے متأثر ہو رہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا "یہ تو ختم ہو جائے گا، زیادہ خطرناک مودودی جماعت کا فتنہ ہے۔"

(۲) ـــــ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری مرحوم دینی مسائل میں مودودی صاحب سے اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کی سیاست میں مودودی صاحب کے ہم خیال تھے مگر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جماعت سے کسی قسم کا تعلق پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ لائل پور کے اسٹیشن پر حاجی صاحب مرحوم، حضرت مولانا کو رخصت کرنے جا رہے تھے، مجھے بھی زیارت کرانے ساتھ لے گئے۔ حضرتؒ نے حاجی صاحبؒ کو مودودی صاحب سے یکسو رہنے کی تلقین فرمائی اور آخر میں جب گاڑی چلنے لگی تو مصافحہ کرتے وقت قرآن پاک کی آیت لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار تلاوت فرمائی، اور گاڑی چل پڑی۔ بندہ کو حضرتؒ کی یہ آخری زیارت تھی، پھر میری حجازِ مقدس کو واپسی ہوگئی اور حضرت کا وصال ہوگیا۔

(۳) ــــــ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ کے متعلق مخدوم محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی دامت برکاتہٗ لکھتے ہیں کہ حضرت لاہوری اپنے زمانہ میں بہت بڑے شیوخ طریقت میں سے تھے۔ قوت نسبت، باطنی ادراک اور روشن ضمیری میں اس زمانہ میں ان کی نظیر مشکل سے مل سکتی تھی (سوانح رائپوری) وفات کے بعد ان کی قبر سے چالیس روز تک کستوری کے مثل عجیب خوشبو کا آتے رہنا لاہور کے سب عام وخاص کو معلوم ہے۔ راقم الحروف (محمد اقبال) بھی کئی روز تک وہ خوشبو سونگھتا رہا۔

مولانا علی میاں صاحب حضرت لاہوریؒ کے شاگرد بھی ہیں اور ابتدا میں باطنی تربیت اور فیوض بھی ان سے حاصل کئے۔ پھر ان کی طرف سے مجاز بیعت بھی ہوئے مولانا کی پہلی بیعت حضرت لاہوریؒ کے شیخ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہٗ سے تھی۔ جب مودودی صاحب کی جماعت اسلامی بنی تو اُن کے افکار سے مناسبت کی بنا پر مولانا علی میاں صاحب کا بھی جماعت سے تعلق ہو گیا تھا پھر جب جماعت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو حقیقت واضح ہو جانے پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس زمانہ میں ایک دفعہ حضرت لاہوری کی ملاقات کو تشریف لے گئے، بندہ بھی ساتھ تھا۔ حضرت لاہوری ہم کو اپنے خاص حجرہ میں لے گئے، چائے پلائی، پھر فرمایا کہ ایک خاص بات کرنی ہے توجہ سے سنو۔ حضرت لاہوریؒ نے حضرت علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش صاحب قدس سرہٗ سے مراقبہ میں اپنی بات چیت جو کہ فارسی زبان میں ہوئی تھی وہ، اور اُن کی قبر کی تعیین کا قصہ سنایا جو کئی سال بعد 'خدام الدین' کے پرچہ میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد علی میاں سے پوچھا کہ تاریخی لحاظ سے اس بارے میں آپ کی کیا معلومات ہیں؟ علی میاں نے عرض کیا کہ تاریخی لحاظ سے بھی آپ کے مکاشفہ کی پوری تائید ہوتی ہے اور قبر کی تعیین کے متعلق تفصیل عرض کی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ واقعہ اس واسطے سُنایا ہے کہ اس قسم کا ادراک مجھے عام طور پر ہو جاتا ہے اور میری حیثیت حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پُوریؒ کے سامنے ایسی ہے کہ میں اُن کے جوتے کی خاک کے ذرّہ کو اپنے لئے موتیوں کا تاج سمجھتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ آجکل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان حضرات نے مودودی صاحب کی اردو کی کُتب کو سمجھا نہیں۔ طرزِ تحریر نیا ہے مودودی صاحب کے مفہوم کو نہیں سمجھتے محض دوسروں کے کہنے سے یہ بزرگ شدید مخالف ہو گئے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ ان دونوں بزرگوں کی فراست اِس درجہ کی ہے کہ اگر ایک مسلمان کو کافر کا لباس پہنا دیا جائے اور کافر کو مسلمان کا، پھر دونوں کے فوٹو لئے جائیں اور حضرت مدنیؒ کے سامنے پیش کئے جائیں تو حضرت فوراً کہہ دیں گے 'ہٰذا مسلم و ہٰذا کافر'۔ ان حضرات کے علم و تقوےٰ اور خلوص و بےنفسی کے آپ بھی قائل ہیں۔ بس مجھے آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کے بعد ہمیں رخصت کر دیا۔

محمّد اقبال ہشیارپُوری

مدینہ منوّرہ۔

۲؍جنوری ۱۹۷۸ء۔

ملنے کے پتے

مکتبہ امدادیہ باب العمرۃ مکۃ المکرمۃ

مکتبہ امدادیہ باب المجیدی مدینۃ المنورۃ

ہندوستان میں

مولوی نصیر الدین صاحب

ناظم کتب خانہ یحیوی، سہارن پور

ہندوستان

(ایجوکیشنل پریس کراچی)